جب دو فرشتہ صورت کانسٹیبلوں نے (جن کی صورت منکر اور نکیر سے ملتی تھی) مجھے نہایت عزت و احترام کے ساتھ حوالات میں پھینکا تو وہاں جمی کو دیکھ کر میرے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔ اب میری سمجھ میں اپنا وہ ناکردہ گناہ آگیا تھا جس کی پاداش میں مجھے حوالات میں یوں پھینکا گیا تھا جیسے امریکی تیسری دنیا کے غریب لوگوں پر بم پھینکتے ہیں۔ کبھی معاشی و سیاسی بم اور جب ان سے کام نہ چلے تو اصلی بم۔ میرا ناکردہ گناہ موٹے اور کنجوس جمی سے دوستی تھی۔ وہ کسی وجہ سے تھانے آیا تھا لہٰذا فراخ دل حوالدار نادر شاہ نے اس کے دوستوں کو بھی سمیٹنے کا فیصلہ کیا۔

جب نادر شاہ نے فتو کے کیفے ڈی پھونس میں قدم رکھا تو نہ صرف وہاں موجود لوگ بمعہ فتو کے گنگ رہ گئے تھے بلکہ فتو کا شیر کی طرح دہاڑنے والا ڈیک یک لخت بکری طرح منمنانے لگا تھا۔ فتو ابھی اسپتال سے واپس آیا تھا اور تھانے جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ نادر شاہ کا کیا بھروسا وہ اسے اپنی بیوی سے زیادہ وزنی بائیک چلانے کے جرم میں گرفتار کر لیتا حالانکہ فتو سے نہ بیوی سنبھالی جاتی تھی اور نہ ہی بائیک۔ بائیک سے تو وہ چھٹکارا پا چکا تھا لیکن بیوی سے چھٹکارا پانے کے لیے اسے خود کشی کرنا پڑتی۔ یہ بیوی کو تین بار طلاق کہنے سے زیادہ آسان تھا۔ خود کشی کی صورت میں مرنے کا طریقہ چننے کا اختیار فتو کو

ناجائز قبضہ

کاشف زبیر

دنیا میں ناممکن تو کوئی بھی کام نہیں ہے۔ مشکل سے مشکل کام بھی تھوڑی سی ذہانت کے استعمال سے آسان ہو جاتا ہے۔ ایک بنگلے پر ایک طاقتور کے قبضے کا قصہ جسے خالی کرانے کی ذمے داری جلیل نے قبول کر لی تھی۔

آپ کے پسندیدہ کردار کا نیا کارنامہ، ایک ہنستی مسکراتی تحریر

ہوتا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسا طریقہ منتخب کرتا کہ حضرت عزرائیل اسے آکر فوراً لے جاتے اپنی سن چھیاسٹھ ماڈل کی مریسڈیز نما بیوی کو طلاق دینے کی صورت میں اسے خاصی اذیت ناک موت آتی۔ اس کی بیوی ہی کچھ کم نہیں تھی۔ اس کے سالے زیادہ خطرناک پہلوان اور بدمعاش تھے۔ اگر وہ جوش میں آجاتے تو فتو کو سوائے قبر کے کہیں پناہ نہ ملتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ فتو کو مارنے کے بجائے نمونۂ عبرت بنادیتے۔ عین ممکن تھا کہ فتو دنیا کو ایک نظر سے دیکھنے لگتا یا اس کی مرغ کی طرح ایک ہی ٹانگ رہ جاتی۔

لہٰذا فتو نے زبردست حکمتِ عملی سے کام لیتے ہوئے دوسری شادی کرلی۔ اس کی دوسری بیوی عمر میں اس سے آدھی اور وزن میں اس کی پہلی بیوی سے ایک تہائی تھی۔ اس کے سالوں اور بیوی کو پتا چلنے سے پہلے وہ کام دکھا چکا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ اس کی دوسری بیوی ایک تازہ تازہ بیوہ تھی جس کا شوہر قضائے الٰہی اور رضائے پولیس سے ایک پولیس مقابلے کے دوران جاں بہ حق ہوگیا تھا۔ وہ اپنی نئی نویلی دلہن کے لیے چکن کڑاہی لینے آیا تھا کہ پولیس اور ڈاکوؤں کے درمیان فائرنگ کی مشق شروع ہوگئی جس میں ہمیشہ کی طرح بے گناہ مارے گئے تھے۔ غم سے بے حال بیوہ کو منحوس قرار دے کر ماں باپ کے گھر بھیج دیا گیا۔ فتو نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بیوہ کے عدت سے فارغ ہوتے ہی دوبارہ سہاگن بنادیا۔ پہلی بیوی اب سوائے واویلا مچانے کے کچھ نہیں کرسکتی تھی۔ ویسے بھی فتو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ اسے اپنے لیے ایک اولادِ نرینہ کی ضرورت تھی جو اس کے بعد اس کے کیفے کو سنبھال سکے مگر اس کی بیوی خسارے میں چلنے والی سرکاری کارپوریشن تھی لہٰذا اسے دوسری شادی کرنے کا حق تھا۔

"سرکار!" فتو نے ہاتھ جوڑ کر کہا "آج تو میرے کیفے کے نصیب جاگ گئے۔"

"تم بھی جاگ جاؤ۔" نادر شاہ نے کاؤنٹر بجا کر کہا۔ "لوگوں کو یہ گھٹیا پتی اور باسی مال کھلانا بند کرو۔ کوئی مرمرا گیا تو تمہارے نصیب سو جائیں گے۔"

کیونکہ مجھے حوالدار نادر شاہ سے کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے میں پوری بے فکری سے بیٹھا ہوا تھا لیکن جب اس نے میری طرف رخ کیا تو میری چھٹی حس خطرے کا الارم بجانے لگی تھی لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ میں پہلے بھاگ لیتا تو زیادہ مناسب تھا۔ نادر شاہ بظاہر بڑی نرمی سے مسکراتے ہوئے مجھ سے تھانے چلنے کی فرمائش کی تھی لیکن وہاں جانے کے تصور سے میری روح فنا ہونے لگی تھی اور مجھے نادر شاہ اس قسائی سے مشابہ نظر آنے لگا تھا جو کیلے میں ذبح کے لیے گائے منتخب کرتے آتا ہے۔

"میرا قصور شاہ جی؟" میں نے دریافت کیا۔

"تھانے پہنچ کر سب معلوم ہوجائے گا۔" نادر شاہ نے اپنی سلطان راہی مارکہ مونچھیں ہلا کر معنی خیز انداز میں کہا۔

تھانے پہنچ کر سب معلوم ہوجانا' ایک خالصتاً پولیس اصطلاح تھی جس کے متعدد مفہوم تھے۔ بعض اوقات تھانے جاکر لوگوں پر حیرت انگیز انکشافات ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ چوری' ڈکیتی اور اغوا کی متعدد وارداتوں میں ملوث ہیں۔ ایک رات ڈرائنگ روم میں گزار کر ملزم باضابطہ ان تمام وارداتوں کا اعتراف بھی کرلیتا ہے۔ شریف افراد تھانے جاکر ہسٹری شیٹر قرار پاتے ہیں اور درجۂ اول کے بدمعاش معززین قرار دیے جاتے ہیں۔

بادلِ ناخواستہ میں نادر شاہ کے ساتھ تھانے آیا۔ راستے میں وہ جس شرافت کا مظاہرہ کرتا آیا تھا۔ اس کا چولا ایک دم اتار پھینکا اور غرا کر ایک اونگھتے ہوئے کانسٹیبل کو مجھے حوالات میں "ڈک" دینے کا حکم دیا۔ میں نے پھر وہی سوال کیا۔

"میرا قصور تھانے دار صاحب؟"

"قصور رات کو پتا چل جائے گا۔" اس نے گرج کر کہا "جب ڈرائنگ روم کی سیر کرو گے۔"

حوالات میں چار افراد پہلے ہی پڑے تھے۔ ایک تو عادی چور اور چرسی تھا جو نہ چوری چھوڑ سکتا تھا اور نہ چرس لہٰذا ہر سہ ماہی میں ایک بار ضرور تھانے آتا تھا۔ جہاں مناسب جھاڑ پونچھ کے بعد اسے چھٹی دے دی جاتی تھی۔ اس کو عدالت میں پیش کرنے سے پولیس کو صرف زحمت ہی کرنا پڑتی۔ دوسرا غالباً ساری رات زیرِ تفتیش رہا تھا اور اپنی بے گناہی پر مصر بھی رہا تھا۔ اس کا اندازہ اس کی حالت سے ہو رہا تھا۔ ایک آنکھ دوسری سے دوگنی بڑی ہوگئی تھی۔ کالے چہرے پر نیلگوں ابھار تھے جیسے مریخ کے چاند پر ہوسکتے ہیں۔ وہ یوگا کے ایک مشکل پوز میں زمین پر پڑا تھا اور نیم بے ہوشی کی حالت میں اپنی بے گناہی پر اصرار کررہا تھا۔ وہ بے وقوف ہی نہیں بدقسمت بھی تھا ورنہ اپنی بے گناہی کا واویلا مچانے کے بجائے پولیس کی بات مان لیتا۔ تیسرا اس کی حالت سے عبرت پکڑتے ہوئے دل میں پولیس سے تعاون کا عہد کررہا تھا۔ وہ شاید ابھی ابھی لایا گیا تھا۔ بعد میں اس کا جرم نہایت سنگین نکلا۔ اس نے بغیر کاغذات کے گاڑی چلانے پر پکڑے جانے

پر رشوت دے کر جان چھڑانے کے بجائے ایک ایس پی سے اپنی رشتے داری جتائی تھی۔ بدقسمتی سے اس وقت ایس پی وہاں آگیا تھا اور اب وہ تھانے میں بیٹھا تھا۔ چوتھا میرا خصیص اور خبیث دوست جمی تھا۔

"پولیس نے مجھے کیوں پکڑا ہے؟" میں نے جاتے ہی پوچھا۔

"میرے کہنے پر۔" جمی نے اطمینان سے کہا۔

"اور تم یہاں کیوں مرے ہو؟" میں نے خون کے گھونٹ پی کر کہا۔

"نادر شاہ کو ہمارے بکرے والے فراڈ کا علم ہو گیا ہے جو ہم نے ابھی بڑی عید پر کیا تھا۔"

"اس میں فراڈ کی کیا بات تھی۔" میں نے اعتراض کیا "اور نادر شاہ کو کیسے علم ہوا؟"

"بدقسمتی سے ہم نے ایک بکرا اس کے برادرِ نسبتی کو بیچ دیا تھا۔ بعد میں جب صحت مند نظر آنے والا بکرا ایک دم پنکچر ہو گیا تو اس خبیث نے فوراً نادر شاہ سے شکایت لگائی۔" جمی کے لہجے میں شکوا تھا۔

"اتنی سی بات پر شکایت کرنا تو کمینگی تھی۔ اصل نیت تو قربانی کی ہوتی ہے۔ بکرے کی نہیں۔" میں نے جمی سے اتفاق کیا "اس بات پر نادر شاہ نے یہاں بلا بھیجا۔"

"بظاہر بات یہی ہے۔" جمی نے اپنا گھڑے جیسا سر ہلایا "لیکن اصل بات ہے کہ اس کا برادرِ نسبتی میرا بنگلا خالی نہیں کرنا چاہتا۔"

مجھے معلوم تھا کہ جمی نے دمڑی مڑی بچا کر شہر بھر میں خاصی جائداد بنائی تھی۔ کاروبار اس کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا وہ اپنی جائداد کے کرائے کی رقم سے مزید جائداد بنا رہا تھا "کون سا بنگلا؟"

"طارق روڈ والا۔" جمی کسی قدر طیش میں نظر آنے لگا "حرامی پچھلے دو سال سے ایک ہی کرایہ دے رہا ہے۔"

جمی کا لال پیلا ہونا برحق تھا کیونکہ وہ باقاعدگی سے ہر چھ مہینے بعد کرایہ بڑھا دیا کرتا تھا۔ جو کرائے دار کرایہ بڑھانے سے انکار کرتا اسے مکان سے بے دخل کر کے دوسرا کرائے دار اپنی مرضی کے کرائے پر رکھ لیتا تھا۔ جمی نے جو بتایا اس کے مطابق نادر شاہ کا سالا محکمۂ ایکسائز میں سب انسپکٹر تھا۔ جمی مسلسل محکمے کو "ایک سائز" کہتا رہا تھا۔ اس کے مطابق فضل حق نے اس کا عالی شان تین بیڈ روم والا بنگلا دو سال پہلے کرائے پر لیا (جمی نے کرایہ بتانے سے گریز کیا تھا) فضل حق کی بے حساب حرام کمائی کی طرح بے حساب اولاد تھی۔ تین بیویوں سے مجموعی طور پر چودہ بچے تھے (اس بارے میں جمی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ بچے چودہ تھے یا چالیس) وہ جب بھی کرایہ لینے جاتا تو اسے بچے بنگلے کے در و دیوار سے چھلکتے نظر آتے تھے۔ پہلے تو جمی سمجھا کہ فضل حق نے یتیم خانہ کھول لیا ہے۔ اس نے فضل حق سے کہا۔

"میں نے تمہیں بنگلا رہائش کے لیے دیا تھا کمرشل مقاصد کے لیے نہیں۔"

"کون ... کا بچہ ... یہاں ... چلا رہا ہے۔" فضل حق نے اعلیٰ گفتاری کا مظاہرہ کیا۔ جمی نے خالی جگہوں پر جو الفاظ بتائے تھے انہیں ناقابلِ اشاعت سمجھا جائے۔

"میں کہتا ہوں۔" جمی نے سارے القابات قبول کرتے ہوئے کہا "میں نے بنگلا تمہیں رہنے کے لیے دیا تھا۔ یتیم خانہ کھولنے کے لیے نہیں۔"

"یتیم خانہ۔" پانچ فٹ کا فضل حق پانچ انچ اچھلا۔ اس کی توند کا قطر بھی تقریباً اتنا ہی تھا جس کی وجہ سے وہ سرنگوں شتر مرغ نظر آتا تھا۔ اس نے چلا کر کہا "یہ میرا گھر ہے۔ یتیم خانہ تیرے باپ نے بنایا ہوگا۔"

کیونکہ جمی کا باپ سچ مچ مر چکا تھا لہٰذا اسے اپنے گھر کے

UrduPhoto.com

لیے یتیم خانے کے خطاب پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ البتہ اس نے اپنے خیال میں کوئی ترمیم نہیں کی "پھر یہ اتنے سارے بچے یہاں کیوں ہیں؟"

شترمرغ اس بار ساڑھے پانچ انچ اچھلا تھا اور اپنے پھٹے ڈھول جیسی آواز میں چلایا "ابے یہ سارے میرے بچے ہیں۔"

"اچھا۔" جمی نے ہر سائز، رنگ، نسل اور نقوش کے بچوں پر غور کیا اور بے خیالی میں پوچھ لیا "تمہیں یقین ہے نا؟"

اگر جمی قد میں اس سے ایک فٹ اونچا اور وزن میں ایک سو پاؤنڈ زیادہ نہ ہوتا تو شترمرغ اسے قتل کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ وہ ایکسائز کا ایس آئی تھا لہٰذا مجبور تھا ورنہ وہ پولیس کا ایس آئی ہوتا تو جمی بعد میں کسی پولیس مقابلے میں ضرور مارا جاتا۔ بدقسمتی سے جمی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ نادر شاہ کا سالا بھی ہے جو اصلی نادر شاہ سے زیادہ سفاک اور خون خوار تھا۔ علاقے کے تمام شرفا اس سے یوں کانپتے تھے جیسے شاہانِ تیمور کو نادر شاہ درانی کا نام سن کر لرزہ چڑھ جاتا ہوگا۔ جمی نے لالچ میں آکر بنگلا اسے دے دیا کہ جتنا بنگلے کا کرایہ تھا اتنا تو وہ ایک دن میں کمالیتا ہوگا۔

دو سال بعد جب تنگ آکر جمی نے اس سے بنگلا خالی کرنے کا مطالبہ کیا تو اس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا "بنگلا تو تمہارا باپ بھی خالی نہیں کرا سکتا۔ اتنے ہی کرائے پر قناعت کرو ورنہ بنگلا مجھے بیچ دو۔"

"اپنی حیثیت دیکھی ہے۔" جمی نے برافروختہ ہو کر کہا۔

"حیثیت کی بات مت کرو۔ اگر دس لاکھ میں دے رہے ہو تو میں ابھی ادائیگی کردیتا ہوں۔" شترمرغ نے بے نیازی سے کہا۔

اس پر جمی زندگی میں پہلی بار اُچھلا تھا۔ جب وہ واپس زمین پر گرا تو زمین دہل گئی تھی۔ اس نے کسی ریلوے انجن کی سی چیخ ماری اور چلایا "خبیث... مردود..." اس نے شترمرغ کو متعدد خطابات دیے "میرا تیس لاکھ کا بنگلا دس لاکھ میں ہضم کرنا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں شرافت سے میرا بنگلا خالی کردے ورنہ..."

"ورنہ؟" شترمرغ نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"ورنہ میں تجھ پر مقدمہ کردوں گا۔" جمی نے کہا۔

"بسم اللہ کرو۔ اس کے بعد تمہاری ملاقات عدالت میں ہوگی۔"

جمی نے مقدمہ دائر کیا اور شترمرغ نے کرایہ دینا بند کردیا۔ وہ جمی کو دھمکانے لگا کہ اس کے ساتھ مک مکا کرے ورنہ ساری عمر عدالتوں میں خوار ہوتا رہے گا لیکن کنجوس جمی کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ اتنا نقصان برداشت کرنے کے خیال سے ہی اسے ہارٹ اٹیک ہوسکتا تھا۔ شترمرغ تیس لاکھ کا بنگلا جو تین سو گز پر بنا تھا، صرف دس لاکھ میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جب جمی کسی طرح نہیں مانا تو اس نے اپنے برادرِ نسبتی نادر شاہ سے رجوع کیا اور نادر شاہ نے موقع تاک کر جمی کو پکڑلیا۔ جمی نے واویلا بھی کیا کہ شترمرغ نے اس پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اصل بکرا غائب کرکے اس کی جگہ دوسرا بکرا پیش کردیا تھا جو بکرے سے زیادہ بکرے کا خلاصہ لگ رہا تھا مگر نادر شاہ کے نزدیک مستند تھا سالے کا فرمایا ہوا۔ اس نے جمی کو حوالات میں ڈال دیا۔ جمی نے نہایت اشتعال کے عالم میں بتایا کہ یہ سب سالے بہنوئی کی حکمتِ عملی تھی (جمی نے لفظ حرامی پن استعمال کیا تھا) پہلے سالا اس کی جائداد پر نظر جما کے بیٹھا تھا اور اب بہنوئی اس سے رقم کے چکر میں تھا۔ اس نے عزمِ مصمم کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ اس کی جان لے سکتے ہیں لیکن اس سے ایک روپیہ نہیں لے سکتے۔

"لگتا ہے تو جان ہی دے گا۔" میں نے حالات پر غور کیا "ایک تو نادر شاہ یعنی کریلا اوپر سے اس کا سالا جو ایکسائز میں ہے۔ گویا نیم چڑھا ہوا۔ ان دونوں کا اشتراک تیرے حق میں اتنا ہی تباہ کن ہوگا جیسے عوام کے لیے پولیس اور سی آئی اے کا اشتراک۔"

"اسی لیے میں نے تجھے بھی حوالات میں بلوایا ہے۔" جمی نے اطمینان سے کہا "مجھے یقین ہے کہ تو مجھے اس مصیبت سے ضرور نکال لے گا۔"

اس پر میں نے اسے کھاجانے والی نظروں سے دیکھا "جمی منحوس کہیں کے۔ میں اس مصیبت سے نکلوں گا تو تجھے یہاں سے نکالوں گا نا۔ تو نے مجھے بھی مروا دیا ہے الو کے پٹھے۔"

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" جمی نے برا مانے بغیر کہا۔

میں جانتا تھا کہ جمی پر غصہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اب مجھے کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنا تھا اس سے پہلے کہ نادر شاہ مجھ پر مزید کیس ڈال دے۔ خاصے غور و خوض کے بعد میرے ذہن میں ایک ہی طریقہ آیا تھا یعنی مال خرچ کرکے رہا ہونا۔ جسے عرفِ عام میں مک مکا کرنا بھی کہتے ہیں مگر مال کہاں سے آئے گا۔ یہ بجائے خود ایک مسئلہ تھا۔ اول تو میرے پاس اتنی رقم ہی نہیں تھی اور تھی بھی تو میں جمی پر کیوں خرچ

UrduPhoto.com

کرتا۔ یہ سب اس کی حماقت تھی لیکن اس سے رقم کی توقع کرنا ایسا ہی تھا جیسے بیل سے دودھ کی توقع کرنا یا دودھ والے سے خالص دودھ کی توقع کرنا۔ ایک خطرہ اور بھی تھا۔ ابھی ابھی اس نے پیسے کے بجائے جان دینے کا عزم ظاہر کیا تھا لیکن بات تو کرنا ہی تھی میں نے موزوں الفاظ تلاش کیے۔

"دیکھ جمی! اب تو یہ اچھی بات نہیں ہے کہ تو کروڑوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی لاوارثوں کی طرح حوالات میں پڑا ہو۔"

"کروڑوں کہاں جلیل۔" جمی نے مری ہوئی آواز میں کہا "اور لاوارث تو میں ہوں۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کر۔" میں نے اسے سمجھایا "اگر تو تھانے ہی میں مر گیا تو یہ اتنی دولت کس کے پاس جائے گی۔"

"خدا نہ کرے۔" جمی نے دہل کر کہا "خبیث الزماں میں کیوں مرنے لگا اور تو میری دولت کے لیے اتنا فکر مند کیوں ہے۔"

"میرے موٹے بچے دوست ہی دوست کے کام آتے ہیں جیسے اس وقت میں تیرے کام آنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ بتا کہ آج رات تو تھانے کے ڈرائنگ روم میں پولیس کی تفتیش کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بہ حق ہو گیا تو پولیس کو قاتل کون ثابت کرے گا۔"

جمی بلبلایا "جلیل، منحوس کہیں کے نہ تو تیرا منہ اچھا ہے اور نہ تو بات اچھی کرتا ہے۔ پولیس مجھے کیوں مارنے لگی؟"

"تاکہ شتر مرغ تیرے بنگلے پر قابض ہو سکے۔ اس کے لیے تو جعلی وصیت نامے لانا بھی دشوار نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں تو دستخط کرنے کے بجائے انگوٹھا لگاتا ہے۔ وصیت پر تیرا انگوٹھا لگا کر وہ نہ صرف بنگلے بلکہ تیری ساری ہی جائداد پر قابض ہو سکتے ہیں۔ یہ کس کو معلوم ہو گا کہ جب تو نے وصیت نامے پر انگوٹھا لگایا تو تو زندہ بھی تھا یا نہیں۔"

جمی کا رنگ سفید ہو چکا تھا۔ اس نے رو کر کہا "کاش میں نے پولیس کے سامنے تیرا نام نہ لیا ہوتا۔"

اب تو بھگتنا پڑے گا بیٹے۔ میں نے دل میں کہا اور منہ سے بولا "احمق آدمی خدا کا شکر ادا کر میں یہاں آ گیا ورنہ تو تیری لاش کا بھی پتا نہ چلتا۔ کسی کو کیا معلوم کہ تو تھانے میں ہے اور جنہیں معلوم ہوتا تو کیا وہ پولیس کے خلاف گواہی دینے آتے؟ تیرے غائب ہونے پر بھی کم ہی لوگ پریشان ہوتے۔ ان میں سے بھی تھانے آنے کی زحمت کوئی نہ کرتا۔ زیادہ تر لوگ خوش ہی ہوتے۔ عام طور سے تو کرائے دار۔"

اس وقت موٹا جمی شتر مرغ کو بھول چکا تھا اور غالباً مجھے قتل کرنے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ اس کے عزائم کا اظہار اس کے منہ سے نکلنے والے ناگفتہ بہ الفاظ سے بھی ہو رہا تھا۔ اس کا شور اس وقت تک جاری رہا جب تک ایک سپاہی نے آ کر اسے خبردار نہیں کیا "اڑے بیل کا بچہ! اپنا منہ بند رکھو ورنہ ابی ایم اندر آ کر تمہارا..... کھول دے گا۔"

اوپر سے ہاتھی نظر آنے والے جمی کے اندر شاید چڑیا کا دل تھا۔ وہ فوراً خاموش ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ دوبارہ زیر لب مجھے سنانے لگا۔ بہ مشکل میں نے اسے ٹھنڈا کیا کیونکہ معاملہ صرف اس کا ہی نہیں بلکہ میری رہائی کا بھی تھا۔

"جمی تو یہاں سے نکلنا چاہتا ہے؟"

"ظاہر ہے کون بے وقوف اپنی خوشی سے یہاں رہنا چاہے گا۔" اس نے جل کر کہا "جلیل تو نے ایک بھی کام کی بات نہیں کی ہے اب تک۔"

"میں نے ساری باتیں کام کی ہیں۔ تو نے غور سے سنی نہیں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا "اب میرے ایک سوال کا جواب دے تو صرف تھانے سے نکلنا چاہتا ہے یا شتر مرغ سے بھی نجات چاہتا ہے مع کرائے کے۔"

جمی خوش نظر آنے لگا۔ اس نے مجھے دبوچ لیا "میں جانتا تھا میرا یار، کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔"

"احمق آدمی!" بہ مشکل اس کی گرفت سے نکل کر میں نے کہا "میں مرجاتا تو نادر شاہ یہیں حوالات میں تجھے پھانسی چڑھا دیتا۔ تھانے میں قتل کا اختیار صرف ہماری پولیس کو ہے۔"

"اگر تو مجھے میرا بنگلا واپس دلا دے تو میرا رُواں رُواں تجھے دعائیں دے گا۔"

"بیٹا اب دعاؤں کا وقت نہیں رہا۔" میں نے سرد آہ بھری "اب تو دوا کا وقت ہے۔" میں نے انگوٹھے سے رقم کا اشارہ کیا تو جمی کا توے کی طرح گول چہرہ لٹک کر انڈے کی طرح لمبوترا نظر آنے لگا..... اس نے مردار لہجے میں کہا۔

"کہنے کی کیا ضرورت ہے کیا میں نے پہلے تیرا خیال نہیں رکھا۔"

"بیٹے خیال ہی تو رکھا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا "اسی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔"

اس نے بادلِ ناخواستہ کہا "اگر تو مجھے یہاں سے نکلوا دے تو میں پانچ سو دوں گا تجھے۔"

UrduPhoto.com

لے گا اور کرایہ بھی نہیں بڑھائے گا۔"

"یہ کی نا اس نے عقل مندوں والی بات۔" نادر شاہ خوش ہوگیا "مجھے خود اس پر رحم آتا ہے۔ یہ فضل حق بھی حرامی آدمی ہے۔ پر میں اسے سمجھالوں گا اور ہاں موٹے کو سمجھا دینا۔ باہر نکل کر اس کا دماغ خراب ہوا تو سری میں سے دماغ نکال لوں گا۔"

بے شک نادر شاہ ایسا کرسکتا تھا ایک تو وہ پولیس حوالدار تھا دوسرے اس کے آباؤ اجداد قسائی تھے۔ شاہ وہ خود بن گیا تھا۔ اس نے جمی کو حوالات سے بلوایا اور ایک کونے میں لے جاکر سودا کرنے لگا۔ بے شک یہ ایک سودا تھا جس میں جمی نے رقم دے کر اپنی چمڑی بچائی تھی اور حوالات سے باعزت بری ہوا تھا۔ بعد میں جمی نے تقریباً روتے ہوئے نادر شاہ اور اس کے سالے کی سات پشتوں کو کوستے ہوئے مجھے بتایا کہ اسے پچیس ہزار دینے پڑے تھے۔ نادر شاہ تو پچاس سے کم میں راضی نہیں تھا لیکن جمی نے اپنی مالی حالت کا ایسا عبرت ناک نقشہ کھینچا جیسے ہمارے معزز وزیر خزانہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک والوں کے سامنے ملکی معیشت کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ بادلِ ناخواستہ نادر شاہ نے پچیس ہزار پر سودا پٹالیا۔

"تیرے پاس پچیس ہزار تھے۔" میں نے حیرت سے کہا جمی نے تفخر سے کہا "ہاتھی مرا ہوا بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔"

"بے شک تو کسی مرے ہوئے ہاتھی سے کم نہیں ہے۔" میں نے اس کی تائید کی "تیرے جسم سے بو بھی ویسی ہی آتی ہے۔"

تھانے سے باہر آتے ہی جمی کی نظریں بدلی بدلی سی لگ رہی تھیں۔ یقیناً اس کے دل میں ہمیشہ کی طرح مفسد خیالات اٹھ رہے ہوں گے لیکن اس کا واسطہ بھی جلیل الزماں سے تھا۔ میری بات سن کر اس نے غرا کر کہا "زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جلدی سے میرے ڈھائی ہزار روپے ادا کردو۔"

میں بھونچکا رہ گیا "ڈھائی ہزار روپے۔ کون سے ڈھائی ہزار؟"

"ابھی جو میں نے تھانے میں ادا کیے ہیں۔ پچیس ہزار میں سے ساڑھے بارہ ہزار تمہارے اور ساڑھے بارہ میرے ہوئے۔ میں نے تمہیں دس ہزار دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس میں سے کاٹ کر باقی ڈھائی ہزار مجھے واپس کردو۔"

"مجھے یہی امید تھی۔" میں نے اطمینان سے کہا "رقم کے لیے تو سب کچھ کرسکتا ہے جمی بے ایمانی، دھوکے بازی۔۔۔"

میں نے اور بھی کئی بازیوں کا حوالہ دیا۔ جمی عالمِ اشتعال میں تھر تھر کانپنے لگا تھا۔ اس نے چلا کر کہا۔

"خبیث الزماں میں نے غلطی کی تجھے تھانے سے چھڑوا کر۔"

"چھڑوایا میں نے ہے تجھے ورنہ آج رات تُو تھانے میں گزارتا تو کل صبح منہ مانگی رقم دے کر باہر آتا۔ جمی تو لالچی ہی نہیں کمینہ اور احسان فراموش بھی ہے۔"

اس کے بعد ہم دونوں میں ایک زوردار جھڑپ ہوئی اور بالآخر ہم نے بکتے جھکتے اپنی اپنی راہ لی ...

○☆○

پورا دن حوالات میں گزار کر میں گھر لوٹ کر آنے والے بدھو کی طرح شام کو دوبارہ کیفے ڈی پھونس میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہاں موجود افراد جو صبح مجھے نادر شاہ کے ساتھ جاتے دیکھ چکے تھے، صحیح سلامت دیکھ کر دم بہ خود رہ گئے تھے۔ گزشتہ ایک عشرے میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ نادر شاہ کے ساتھ تھانے جانے والا فرد اپنے پیروں پر چلتا ہوا بقائمی ہوش وحواس واپس آیا ہو۔ فتو اور اس کا ڈیک یکساں گنگ پڑے تھے۔ بعد میں فتو نے بڑے دکھ سے بتایا کہ صبح بجلی والوں کی شرارت سے اس کے ڈیک کو اندرونی صدمہ ہوا تھا۔ وولٹیج میں کمی بیشی سے اس کے اعضائے رئیسہ متاثر ہوئے تھے۔ دل سے دھواں اٹھا تھا۔ کچھ جلنے کی بو آئی اور ڈیک کوے میں چلا گیا تھا۔ ایک مہینہ اسپتال میں گزار کر فتو روانی سے طبی اصطلاحات استعمال کرنے لگا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بولا۔

"تجھے چھوڑ دیا اس نادر شاہ ولی والے نے تباہ کیے بغیر؟"

"بد خواہوں کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔" میں نے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے فلسفیانہ لہجے میں کہا۔ بالآخر وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ نادر شاہ مجھے ایک مسئلہ حل کرنے کے لیے لے گیا تھا۔"

فتو ہنسا "اس کا ایک ہی مسئلہ ہے۔" اس نے انگوٹھے سے سکہ اچھالا۔

"فتو بوڑھے بچے، میں لینے والوں میں سے ہوں دینے والوں میں سے نہیں۔" میں نے بے نیازی سے کہا "ایک کڑک لاؤ۔"

فتو نے کپ میرے سامنے پٹخا۔ "پولیس والے بیل سے دودھ دلوا سکتے ہیں اور اس کی زوجہ سے انڈے تو کیا چیز ہے۔ یہ تو ان تلوں سے تیل نکال لیتے ہیں جو سرے سے تیل والے

ہی نہیں ہوتے۔"

"تیری دوسری بیوی کیسی ہے۔ میں نے سنا تھا خدا نخواستہ وہ تجھے باپ بنانے والی ہے۔"

فتو نے آتش فشاں نظروں سے مجھے دیکھا۔ "خبیث آدمی تو نے میری بیوی کا نام کیسے لیا؟" وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"یار فتو آخر وہ بھابی ہے۔" میں نے چالاکی سے کہا "کیا میں اس کی خیریت بھی دریافت نہیں کر سکتا۔"

بچے والی خبر درست تھی اس لیے فتو کا موڈ جلد ٹھیک ہوگیا۔ اس نے کچھ دیر بعد اقرار کرلیا۔ "میں اپنے بیٹے کی پیدائش پر سو دیگیں پکواؤں گا۔"

"بیٹے پہلے سے فیصلہ مت کر کہ وہ بیٹا ہوگا یا بیٹی۔ دوسری بات یہ کہ ہوگا بھی یا نہیں۔ بعض اوقات بیویاں بدہضمی کو بھی شوہر کا کیا دھرا قرار دیتی ہیں اور تیسری بات۔" میں نے کپ خالی کر کے پیسوں کے ساتھ اس کے سامنے رکھا "وہ تیرا بھی ہوگا یا نہیں۔"

جب میں فرار ہوا تو فتو میرے خاندان کے بارے میں نہایت ناگفتہ بہ انکشافات کر رہا تھا۔ بدقسمتی راجا کی شکل میں میرے راستے میں آئی۔ وہ یوں زمین پر جھکا ہوا تھا جیسے گری ہوئی چونی تلاش کر رہا ہو۔ میں اس کے اوپر سے ہوتا ایک نسوار فروش کی گود میں جاگرا جو نسوار کی ڈبیا میں دیکھ کر اپنی مونچھیں سنوار رہا تھا۔ زیر لب پشتو میں کچھ گاتے ہوئے وہ وقفے وقفے سے "وئی" کا نعرہ لگا رہا تھا۔ آخری نعرہ اس نے میرے گرنے سے لگایا۔ اس کی ڈبیا چھوٹ کر برابر کے گڑھے میں جاگری تھی۔ میرا سر اس کی لکڑی کے بکس کے کونے سے ٹکرایا جس کی وجہ سے مجھے آسمان پر بادل ہونے کے باوجود ستارے نظر آنے آئے تھے۔

نسوار فروش نے مجھے پکڑلیا۔ "خدائی خوار، تم نے امارا نسوار گڑھے میں پھینک دیا۔ ام تم کو گڑھے میں ڈال دے گا۔"

"پاگل کتا۔" میں نے چلا کر کہا "ادھر ہی آرہا ہے۔ اب تک ننانوے لوگوں کو کاٹ چکا ہے۔ آج اس کا ارادہ سنچری کرنے کا ہے۔"

"کدر اے کتا۔" نسوار فروش نے فوراً مجھے چھوڑ دیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"وہ رہا۔" میں نے ایک سمت میں اشارہ کیا اور مخالف سمت میں بھاگا۔ اتنی دیر میں نسوار فروش سمجھ گیا ہوگا کہ راجا کو کتا سمجھ کر لات مار چکا تھا۔ جواب میں راجا نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا یہ راجا نے مجھے بعد میں بتایا۔ کچھ دیر بعد میں آتش فشاں حلیم کھا رہا تھا تو اچانک راجا کراہتے ہوئے میری بینچ پر آکر بیٹھ گیا۔ کئی بار اسے تباہ حال دیکھ چکا تھا لیکن اس بار تو آثار ہی کچھ اور نظر آتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ اس کے باپ نے اسے ڈنڈے سے کوٹ کر دیوہیکل بھٹی میں پکایا تھا پھر اسے کپڑے سکھانے والی مشین میں ڈال کر سکھایا تھا اور کلف لگا کر دھوپ میں ڈالا تھا کہ راجا اڑ کر قریبی سڑک پر جاگرا اور اس کے اوپر سے کئی گاڑیاں یکے بعد دیگرے گزری تھیں۔ وہ کسی سرکاری کارپوریشن سے زیادہ تباہ حال نظر آرہا تھا۔ جس کے ملازموں نے اس کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا ہو۔ راجا کی حالت بارش کے بعد کراچی کی سڑکوں سے زیادہ بدتر نظر آرہی تھی۔ اس کے کولھوں کے جوڑ جواب دے گئے تھے جس کی وجہ سے وہ قدِ آدم حد تک کھڑا ہونے سے قاصر تھا۔ گھٹنے مڑے ہونے کی وجہ سے اس کی چال چارلی چپلن سے مشابہ تھی۔ ایک بازو کہنی سے تیس درجے شمال کی طرف گھوما ہوا تھا جب راجا کا منہ جنوب کی طرف ہوا اور دوسرا شانے سے دو انچ اوپر اٹھا ہوا تھا۔ گردن کی چوڑیاں ناک کی سیدھ میں پچیس درجے زاویے پر دائیں سمت گھومی ہوئی تھی جس کی وجہ سے راجا بائیں طرف کن انکھیوں سے دیکھنے کے لائق رہ گیا تھا۔

میں بھونچکا رہ گیا تھا "راجا میرے دوست تیری یہ حالت کس نے کی ہے؟"

"میرا اور کون دشمن ہے۔" راجا نے کراہ کر کہا "ایک پلیٹ اور دینا۔" دوسرا جملہ اس نے حلیم فروش سے کہا۔

میں نے آبدیدہ ہو کر کہا "راجا یہ حلیم مت کھا ورنہ تو دھماکے سے پھٹ جائے گا۔ حلیم والے نے غالباً مسالے کی جگہ بارود ڈالا ہے۔ تیری حالت ویسے ہی خراب ہے۔"

لیکن اتنی دیر میں حلیم والا اسے ڈبل پلیٹ مسالا چھڑک کر پکڑا چکا تھا۔ راجا نے ایک ناقابلِ بیان زاویے سے چمچے کو منہ تک پہنچایا اور دردناک انداز میں منہ چلانے لگا پھر اس نے زاروقطار روتے ہوئے اپنے باپ کی داستانِ ظلم سنائی۔ میرپور خاص سے واپسی پر راجا کے باپ نے اسے الٹی میٹم دے دیا تھا کہ وہ سہرا باندھ کر گھوڑے پر چڑھنے کے لیے تیار رہے جس دن بھی اس کے دوست نے اسے شادی کی تاریخ دے دی۔ سہرا اس کے باپ کا رکھا ہوا تھا جو اس نے اپنی شادی کے موقع پر پہنا تھا۔ گھوڑے کے رول کے لیے اس کا خاندانی گدھا موجود تھا جس کے آباؤاجداد راجا کے آباؤاجداد کی خدمت کرتے آئے تھے۔

"یعنی گدھے کی سواری۔ میرا مطلب ہے بہ وقتِ برات... اتنی معقول بات تو نہیں ہے۔" میں نے جل کر کہا

UrduPhoto.com

کیونکہ راجا نے اپنی خراب حالت کے باوجود نہایت پھرتی سے پہلی پلیٹ ختم کرلی تھی اور حلیم والے نے اسے فوراً دوسری پلیٹ تھما دی تھی "جب تو گدھے پر بیٹھتا تو دلہا کی شناخت مشکل ہوجاتی۔"

"میں نے بھی ابا سے یہی کہا تھا۔" راجا نے بے صبری سے حلیم کھاتے ہوئے کہا "بلکہ میں نے تو کہا تھا کہ مجھے بھی لے جانے کی ضرورت نہیں ہے گدھے کو ہی دلہا بنا کر لے جاؤ۔ تمہارے دوست کی بیٹی کے لیے یہی مناسب ہے۔"

"اس سچ بیانی پر تیرے باپ نے وہی کیا ہوگا' جو امریکا پاکستان کے ساتھ کرتا ہے۔"

"اس سے بھی برا۔" راجا نے سرد آہ بھری "اس نے ظلم و تشدد میں پولیس والوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔"

"وہ تو تیری حالت سے بھی ظاہر ہے۔ مجھے تو تعجب ہے کہ تو زندہ کیسے ہے۔" میں نے کہا "تیری کہانی واقعی درد ناک ہے۔"

"ابھی کہانی تو نے کہاں سنی ہے۔" راجا نے میرا موڈ دیکھتے ہوئے بادلِ ناخواستہ دو پلیٹوں پر اکتفا کیا "آج ابا اور اس دشمن جاں کے باپ نے مل کر میری تاریخ وفات طے کردی ہے۔" راجا نے دل کی آگ پر پانی ڈالتے ہوئے کہا۔

"تاریخِ وفات۔" میں دوسری بار دم بہ خود رہ گیا "کیا تیرا باپ لاولد دنیا سے جانا چاہتا ہے۔"

راجا نے افسوس سے سر ہلایا "اور تو عقل سے یتیم ہوتا جارہا ہے۔ جلیل میرا مطلب ہے کہ میرے باپ نے میری بربادی کا دن مقرر کردیا ہے۔ میری تباہی کی گھڑی ٹھہرا دی ہے۔"

"یعنی تیری شادی کا اعلان کردیا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔

"یہ شادی نہیں میرے دوست میری خانہ بربادی ہوگی۔ ابا مجھے اس بھینس کے پلے باندھ رہا ہے۔ جو دودھ بھی نہیں دے سکتی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ میں تیری خالہ کی بیٹی سے شادی کرلیتا۔ بے شک ایک مہینے بعد مرحوم ہوجاتا۔" راجا نے آہ بھری تو اس کے منہ سے دھواں نکلا تھا۔ اس نے حلیم والے سے بیڑی لے کر سلگائی تھی۔ قارئین پڑھ ہی چکے ہیں کہ میرپور خاص میں خالہ جان نے اپنے عزیز از جان بھانجے (یعنی راجا) کے لیے کیسا خوف ناک منصوبہ بنایا تھا۔

"صبر کر میرے دوست۔" میں نے راجا سے بیڑی لے کر اسے تسلی دی "بیوی سے صرف کورٹ کاری ہے۔ آج ہم کل تمہاری باری ہے۔"

"کیسے صبر کروں۔" راجا نے نوعروسی بیوہ کی طرح بلبلا کر کہا "اس سے تو بہتر ہے کہ میں اصل شعر کے مطابق فوت ہوجاؤں۔ یعنی سچ مچ اللہ کو پیارا ہوجاؤں۔"

جب راجا میرے پاس سے روانہ ہوا تو وہ دنیا سے سخت مایوس تھا۔ اس کی حالت کسی ناکام عاشق اور کامیاب شوہر جیسی ہورہی تھی جو آئے دن خود کشی کرتے رہتے ہیں۔ مجھے یقین ہونے لگا کہ میں اپنے دوست کو اب زندہ نہیں دیکھ سکوں گا۔ اگلی صبح اماں نے مجھے اٹھا دیا۔ "جلیل' اٹھ جا اب۔ سورج نکلے بھی گھنٹا ہوگیا ہے مردود تو نے سو سو کر اپنے نصیب سلا لیے ہیں۔" اماں کا لیکچر سنتے ہوئے میں نے آرام سے غسل کیا اور ناشتا کرکے چھت پر آگیا۔ جہاں فتنہ ساماں حسینہ یعنی شنو دھلے کپڑے ٹانگ رہی تھی الگنی پر۔ آج اس کا کپڑے دھونے کا دن تھا۔ کپڑوں کے ساتھ وہ خود بھی بھیگی بھیگی ہورہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے جلدی سے ایک دوپٹا لے لیا۔

"شنو تو سخت کنجوس ہوتی جارہی ہے۔" میں نے شکوا کیا "بھلا حسن کے نظارے۔۔۔"

"بکو مت۔" اس نے گھبرا کر کہا "اماں نے سن لیا تو۔۔۔"

"اس سے تو اچھا تھا کہ میں خاموشی سے چھپ کر دیکھتا رہتا۔" میں نے سرد آہ بھری۔

"باتیں مت بناؤ۔" شنو نے رکھائی سے کہا "یہ بتاؤ کہ کیوں آئے ہو؟"

"شنو آج تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" میں نے ہمت کرکے کہا "اگر مجھے ایک سو روپے ادھار۔"

"میرے پاس ایک روپیہ نہیں ہے۔"

"شنو پلیز۔ مجھے سخت ضرورت ہے۔ تم خود دیکھ سکتی ہو میری جیب بالکل خالی ہے۔"

"جلیل تو کام کیوں نہیں کرتا۔" شنو نے بالکل اماں کے انداز میں کہا۔

"مجھے رقم چاہیے' تیری نصیحتیں نہیں۔" میں نے بھنا کر کہا "کام سڑک پر نہیں مل جاتا۔ نوکری آج کل اچھے اچھوں کو نہیں ملتی اور کاروبار کے لیے میں پیسا جمع کررہا ہوں۔ اسی فنڈ میں سے سو روپے کا سوال ہے بابا۔"

"وہ تو میں نے بینک میں جمع کرادیا۔ آج کل محلے میں چوریاں بہت ہورہی ہیں۔"

میں نے دل میں اسے برا بھلا کہتے ہوئے اوپر سے منہ لٹکا کر کہا "ٹھیک ہے لگتا ہے اب مجھے کسی کی جیب ہی کاٹنا پڑے

UrduPhoto.com

گی۔"

"تیرا دماغ خراب ہے۔" شنو نے گھبرا کر کہا "پکڑا گیا تو پھر جیل کی ہوا کھائے گا۔ اب کی بار اماں مجھے تیرے انتظار میں نہیں بٹھائے گی۔"

"تو پھر کیا کروں؟" میں نے معصومیت سے پوچھا "ڈاکا ماروں ایک ہی بار۔"

"تو سخت کمینہ آدمی ہے۔" شنو نے جل کر کہا اور دوسری طرف گھوم کر اپنی زنانہ تجوری سے سو کا ایک نوٹ برآمد کیا۔ "یہ میں نے اماں سے نیا سوٹ بنانے کے لیے لیا تھا۔ تجھے تو اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ایک سوٹ ہی لا دے۔"

میں نے نوٹ چوما۔ "شنو ذرا پیسے ہاتھ آجانے دے تجھے جوڑوں سے لاد دوں گا۔ ویسے ہماری خواتین لباس کے معاملے میں کتنی فضول خرچ ہوتی ہیں۔ جب چھ گرہ سے کام چل سکتا ہے تو چھ گز لٹکانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم نے مغرب کی عورتوں کو دیکھا ہے۔"

"وہ بے حیا ہوتی ہیں۔" شنو نے برا مان کر کہا۔

"اور یہ جو اپنی پڑوسی ملک کی فلمی ہیروئنیں ہیں۔ تہمتِ لباس میں شرمائی کس قدر سنسنی خیز لگتی ہیں۔"

شنو نے خوں خوار نظروں سے مجھے دیکھا۔ "تو یہاں کیا کر رہے ہو۔ وہیں جا کر مرو۔"

"یعنی تمہاری اجازت ہے۔" میں نے کہا اور شنو کے کچھ مارنے سے پہلے فرار ہو گیا۔

○☆○

جمی اپنے مقبرۂ خاص کے سامنے نام نہاد سے لان میں بینچ پر دنیا کے آخری درخت پر رہ جانے والے آخری الو کی طرح اداس بیٹھا تھا۔ جمی کے تمام جذبات ایک ہی چیز سے وابستہ تھے یعنی پیسہ۔ پیسے کے معاملے میں وہ ان لوگوں میں سے تھا کہ بروز قیامت فرشتوں نے پل صراط پر گزرنے کے وقت ٹول ٹیکس مانگ لیا تو وہ جہنم میں گرنے کو ترجیح دیتے۔ جمی نے مجھے غلط نظروں سے گھورا لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا میں نے اس کے برابر بیٹھ کر سگریٹ سلگائی۔

"شتر مرغ تیری کتنی رقم کھائے بیٹھا ہے؟"

"ساٹھ ہزار روپے۔" بے اختیار جمی کے منہ سے نکلا۔ وہ فوراً پچھتانے لگا تھا۔

"یعنی تو چند ہزار روپے ماہانہ اس سے وصول کرتا ہے۔" میں نے حساب لگایا "اس نے چار مہینے سے کرایہ نہیں دیا۔"

"اب وہاں کرایہ بیس ہزار سے کم نہیں ہے۔" جمی نے رو کر کہا۔

"تو راضی نامہ کر کے پہلے تو کرایہ وصول کر لے۔" میں نے جمی سے کہا "اس کے بعد میں اس شتر مرغ کا ایسا علاج کروں گا کہ یہ تجھ سے ایڈوانس بھی واپس نہیں مانگے گا بنگلا خالی کرتے وقت۔۔۔"

"تو سچ کہہ رہا ہے۔" جمی نے مشکوک انداز میں مجھے دیکھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا "تیری خوف ناک جوانی کی قسم جمی لیکن پہلے تجھے میرا حساب صاف کرنا ہوگا۔"

"کون سا حساب؟" وہ صاف مکر گیا "میں نے تجھے ایک روپیہ بھی نہیں دینا۔"

"دیکھ جمی میں دوست بن کر تیرے کام آرہا ہوں لہٰذا مجھ سے بلاوجہ پنگا مت لے۔" میں نے اسے خبردار کیا۔

"ورنہ تو کیا کرے گا؟" جمی نے اپنی سؤر جیسی آنکھیں سکیڑ کر کہا۔

"ورنہ میں شتر مرغ کے پاس چلا جاؤں گا۔" میں نے عیارانی سے جواب دیا "تو بھول رہا ہے تیری کچھ باتیں اگر اس تک پہنچ گئیں تو تیرا تھانے آنے جانے کا سلسلہ لگا رہے گا۔ ہر بار تو پچیس تیس ہزار دے کر بہت جلد جمی خان سے فقیر خان بن جائے گا۔ یہ سودا تجھے مہنگا پڑے گا اور تیری ساری عمر عدالتوں کے چکر لگاتے ہوئے ختم ہو جائے گی۔"

"خبیث الزماں۔" جمی نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا "تو مجھے دوست کہتا ہے۔ حرامی اور بلیک میل بھی کرتا ہے۔"

"بھاڑ میں گئی دوستی۔" میں نے سگریٹ پھینک کر کہا "تو نے ہمیشہ میرے ساتھ دغا کی۔ میں نے تجھے مصیبت سے نکالا اور تو نے آنکھیں پھیرنے میں ایک لمحے کی دیر نہیں کی۔ اب تو دوستی کی بات کرتا ہے۔ شرافت سے وعدہ کی گئی رقم مجھے دے دے۔"

خاصے غور خوض کے بعد جمی اس نتیجے پر پہنچا کہ میری مخالفت اسے میری دوستی سے زیادہ مہنگی پڑے گی۔ اس نے رقت آمیز انداز میں رقم کم کرنے کی اپیل کی جسے میں نے مسترد کر دیا۔ بادلِ ناخواستہ دکھی دل اور روتی صورت کے ساتھ اس نے ایک خفیہ جیب سے بٹوا نکالا اور اس بٹوے کی خفیہ جیب سے ہزار کے دس عدد نوٹ نکالے۔

"جلیل خدا تیرے جیسا دوست کسی کو نہ دے۔" اس نے نوٹ مجھے دیتے ہوئے جل کر کہا۔

"آمین۔" میں نے نوٹ لے کر ان کا بغور معائنہ کیا "یہ اصلی ہی ہیں نا؟"

UrduPhoto.com

"اگر تیری ولدیت اصلی ہے تو نوٹ بھی اصلی ہیں۔" اس نے بھنّا کر کہا۔

"مجھے تو یہ تیری ولدیت کی طرح جعلی لگ رہے ہیں۔" میں نے کہا اور نوٹ فوراً جیب میں رکھ لیے۔

"اب تو میری مدد کرے گا۔ اس حرامی سے نجات دلانے کے لیے۔" جمی نے غرا کر کہا۔

"یہ معاوضہ تھانے سے بہ حفاظت نکلوانے کا تھا۔" میں نے دوسری سگریٹ سلگالی "اب تو بتا کہ شتر مرغ سے نجات پانے کے لیے تو کیا خرچ کر سکتا ہے۔"

"یعنی تو مجھ سے مزید مال کمانے کی فکر میں ہے۔" جمی چلّایا "میری بات سن کر اس کا خون خشک ہو گیا تھا۔

"ذرا غور کر میں تیرے لیے ایک سپر پاور سے ٹکرانے جا رہا ہوں۔ ایکسائز کا ایس آئی کسی چھوٹی موٹی سپر پاور سے کم نہیں ہوتا۔ اوپر سے وہ نادر شاہ کا سالا بھی ہے۔ اگر میں پکڑا گیا تو وہ میرا حال تیرے اس کھنڈر سے بھی بُرا کر دیں گے جسے تو جمن خانہ کہتا ہے۔"

"خبردار جو میری بلڈنگ کو کچھ کہا۔ پولیس کسی نہ کسی دن تیرا حال ضرور خراب کرے گی۔" جمی نے برا مان کر کہا۔

"ایک طرف ساٹھ ہزار کی رقم ہے اور اس کے ساتھ تیس لاکھ کا بنگلا بھی ہے۔ اب تو فیصلہ کرلے کہ انہیں واگزار کرنے کے لیے تو کیا کر سکتا ہے۔"

"ایک پیسا نہیں۔" جمی نے کہا تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو پھر اللہ حافظ اور ہاں آئندہ جب تھانے جانا تو میرا نام مت لینا ورنہ میں شتر مرغ سے بہت کچھ کہہ دوں گا۔"

"ایک منٹ جلیل مجھے سوچنے دے۔" جمی نے اپنے جسم کی طرح موٹے دماغ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جب میرے جیسے مخلص دوست تیرے لیے اپنا دماغ کرائے پر چلاتے ہیں تو تجھے اپنی کھوپڑی میں بھری چیز پر زور دینے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے خلوص سے کہا "مجھے معلوم تھا کہ بالآخر جمی راضی ہو جائے گا اور حسبِ عادت کام نکل جانے کے بعد مجھ سے دھوکا کرنے کی کوشش کرے گا لیکن اب میں اس کی رگ رگ سے واقف ہو گیا تھا۔ بادلِ ناخواستہ جمی نے مسئلہ حل ہونے کی صورت میں مجھے مزید بیس ہزار دینے کا وعدہ کیا تھا۔

○☆○

شتر مرغ ایکسائز کے دفتر میں ہوتا تھا۔ اس پر بھی اس کے ٹھاٹ کا یہ عالم تھا کہ وہ طارق روڈ کے ایک بنگلے میں پندرہ ہزار روپے کرائے پر رہ رہا تھا۔ اس کا قد پانچ فٹ تھا اور شتر مرغ نما توند میں مال حرام کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ ایک افسرِ اعلیٰ کا چچہ تھا اور اپنی حیثیت سے خوب فائدہ اٹھاتا تھا۔ اکثر کام جو انسپکٹر نہیں کر پاتے تھے، وہ کر دیا کرتا تھا۔ میں نے دو روز تک اس کی نگرانی کی اور اس کے معمولات کے بارے میں سب جان گیا تھا۔ تین بیویوں کے باوجود وہ نیپر روڈ کے بدنام کوچوں میں بھی باقاعدگی سے جاتا تھا۔ تیسرے دن شام کو وہ دفتر سے نکلا تو میں نے اسے روک لیا۔

"کیا بات ہے بڑے میاں؟" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ فتور اس کی نظر میں نہ تھا بلکہ یہ میرے میک اَپ کا کمال تھا۔

"انسپکٹر صاحب، آپ کو ایک ضروری اطلاع کرنی ہے۔"

عہدے میں ترقی پا کر اس کا سینہ مزید پھول گیا۔ چند لمحے بعد ہم ایک چھوٹے سے ہوٹل میں بیٹھے تھے۔ ریڈیو پر پنجابی فلمی گانے چل رہے تھے۔ وہاں موجود لوگ سلطان راہی اور مصطفیٰ قریشی کی طرح آپس میں بات کر رہے تھے اور سامنے سے شور مچاتا ٹریفک گزر رہا تھا لہٰذا اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ کوئی ہماری بات سن سکتا۔

"کیا بات کرنا چاہتے ہو؟" شتر مرغ نے تیزی سے وہ کیک پیس اپنے ڈرم نما پیٹ میں ڈالنا شروع کر دیے جو میں نے منگوائے تھے۔

"سرکار بات ایسی ہے کہ کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ آپ بڑے لوگ تو بچ جائیں گے میں غریب مارا جاؤں گا۔"

"فکر نہ کرو۔" اس نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرا "کوئی ہم سے بچ کر نہیں مارا جاتا۔"

اس کے بعد میں نے شتر مرغ کو جو کہانی سنائی، اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔ اس کے لیے اپنے جوش پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا جیسے غبارہ زیادہ گیس بھر جانے سے پھٹنے کے قریب ہو جاتا ہے۔ دو درجن کیک پیس کھا کر اور میری کہانی سن کر اس کی حالت ایسے ہی غبارے سے مشابہ ہو رہی تھی۔ مجھے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ ابھی یہ پھٹ جائے گا اور ہوٹل اس دھماکے سے تباہ ہو جائے گا لیکن آخر میں وہ اپنی اوقات پر آ گیا تھا۔ اس نے مجھے دھمکاتے ہوئے کہا۔

"دیکھ بے بڈھے، اگر تیری بات ذرا سی بھی غلط نکلی تو تیری خیر نہیں ہوگی۔"

"سرکار، میری کیا مجال کہ جھوٹ بولوں۔ وہاں سب کچھ میرے سامنے ہی ہوتا ہے۔ میں اندر کا نگران ہوں۔ بے شک آپ کسی بھی طریقے سے تصدیق کرالیں۔"

"وہ تو میں کرواؤں گا۔" اس نے کہا "پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم رہتے کہاں ہو؟"

"یہ مت پوچھیں سرکار۔" میں نے ہاتھ جوڑے "اگر آپ کو میری بات پر اعتبار نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔ میں کسی اور سے بات کرلوں گا۔ دال روٹی کا خرچا تو ملتا ہی رہتا ہے۔"

"خبردار کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا اور جلدی سے ایک پانچ سو کا نوٹ نکال کر میرے ہاتھوں میں دبا دیا۔

اس کے لیے یہ پہلا موقع تھا جب وہ کسی سے کچھ لینے کے بجائے اسے کچھ دے رہا تھا۔

"اللہ آپ کا بھلا کرے' آپ کا بیڑا پار کرے۔" میں نے دعا دینے کے انداز میں کہا اور دل میں اس کے بالکل الٹ دعائیں مانگی تھیں۔ اگر وہ میرے منصوبے کے عین مطابق عمل کرتا تو اس کا بیڑا غرق ہونے میں کوئی کسر نہ رہ جاتی۔

○☆○

میں ایک بار پھر جمی کے سامنے تھا۔ وہ شتر مرغ سے پچھلا کرایہ وصول کرکے کسی قدر مطمئن نظر آرہا تھا لیکن اس کے دل میں انتقام کی آگ بدستور سلگ رہی تھی۔ "جلیل میں چاہتا ہوں کہ تو اس منحوس کو میرے بنگلے سے اٹھا کر کسی جھونپڑی میں پھینک دے۔" اس نے جوش سے کہا۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلایا "لیکن پہلے تو میری رقم ادا کرے گا۔ پیشگی اور پوری۔"

"یہ طے نہیں ہوا تھا۔" جمی نے اعتراض کیا۔

"تو اب طے کرلو۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تو کامیاب ہو جائے گا۔" جمی نے دوسرا اعتراض کیا۔

"اول تو میں نے جو کام ہاتھ میں لیا اسے پورا ضرور کیا اور بالفرض محال ایسی کوئی بات ہو بھی گئی تو میں تیری رقم واپس کردوں گا۔"

"بے وقوف کسی اور کو بنانا۔" جمی نے طنز کیا "آج کل کون ہاتھ آئی رقم واپس کرتا ہے۔"

"جمی دنیا میں سب تیرے جیسے نہیں ہوتے' کچھ تجھ سے مختلف بھی ہوتے ہیں۔" میں نے خفگی سے کہا "اگر تجھے منظور نہیں ہے تو اس معاملے کو بھول جا۔ کسی دن تو ضرور اپنے بنگلے سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

"نہیں۔" جمی نے گھبرا کر جلدی سے آواز نکالی۔ "مجھے منظور ہے خبیث الزماں۔ پوری زندگی میں آج تک کسی نے مجھے اتنا نہیں لوٹا۔" اس نے جیب سے بٹوا نکالا۔

"تو ساری عمر نہیں بدلے گا جمی۔" میں نے ایک بار پھر نوٹوں کا بغور معائنہ کیا "ساری عمر لالچی اور احمق رہے گا۔ میں تو تیری مدد کررہا ہوں جو کوئی اور نہیں کرسکتا۔ میری کوششوں سے تجھے ساٹھ ہزار کی ڈوبی ہوئی رقم مل گئی اور تیس لاکھ کا بنگلا مل جائے گا اور تو صرف تیس ہزار کو رو رہا ہے۔"

میں جمی کے جمن خانے کے عقبی حصے میں جمی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سامنے بچوں کی ایک ٹولی قیامت خیز شور کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی اور جمی کی متعدد پُر شفقت گالیوں کے باوجود انہوں نے وہاں سے جانے سے انکار کردیا تھا۔ شور کی وجہ سے مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں فتو کے کیفے ڈی پھونس میں بیٹھا ہوں لہٰذا مجھے علم نہیں ہوا کہ کب راجا نازل ہوا اور خاموشی سے ہمارے عقب میں کھڑا ہو کر ہماری باتیں سننے لگا۔ اس کی موجودگی کا پتا اس وقت چلا جب ایک بچے نے دوسرے بچے کو پتھر مارا جو نشانہ خطا ہو جانے کے باعث راجا کے سر پر لگا۔ اس کی چیخ سن کر میں نے مڑ کر دیکھا۔

"راجا تو کب سے یہاں کھڑا ہماری باتیں سن رہا ہے؟" میں فکرمند ہو گیا کیونکہ میں راجا کو کمائے جانے والے تیس ہزار روپے کی ہوا بھی نہیں لگنے دینا چاہتا تھا۔

"جب سے تم لوگ باتیں کررہے ہو۔" اس نے سر سہلاتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

"میں تو ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا ہوں۔"

"میں بھی تھوڑی دیر پہلے ہی آیا ہوں۔" راجا نے اطمینان سے کہا اور جمی سے پوچھا "تیرے پاس کوئی بکرا بچا ہے؟"

"اب تو بکرے کا کیا کرے گا عید کے ایک مہینے بعد۔" جمی نے حیرت سے کہا "بکرے تو سارے ہی بک گئے تھے۔"

راجا نے سرد آہ بھری۔ "میرا پروگرام ہے کہ اپنی جگہ کسی بکرے کو سجا سنوا کر فرار ہو جاؤں۔ آخر مقصود قربانی ہی تو ہے۔ میری نہ سہی بکرے کی سہی۔"

"راجا میرا خیال ہے تو شادی کرہی لے۔ کب تک کنوارا گھومتا رہے گا اور عارفہ حرافہ جیسی لڑکیوں کے لیے ان کے نادر شاہ جیسے باپوں سے مار کھاتا رہے گا۔" میں نے مشورہ دیا "جس پر راجا نے مجھے خونی نظروں سے دیکھا۔

"تو کرلے نا اس ڈریکولا کی بچی سے شادی۔ خود تو شنو جیسی حسینہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور مجھے اندھے کنوئیں

UrduPhoto.com

میں چھلانگ لگانے کو کہہ رہا ہے۔" راجا نے جل کر کہا تھا مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے شنو کو خوب صورت تو مانا ورنہ وہ شنو سے اور شنو اس سے اتنا ہی بیر رکھتے تھے جتنا کتا' بلی یا بلی اور چوہے میں ہوتا ہے۔

"یہ سب نصیب کے کھیل ہیں دوست۔" میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا "جو تیرا نصیب ہے' وہ تجھے ہی ملے گا مجھے یا جمی کو نہیں۔"

اونگھتا ہوا جمی چونکا "کون کسے ملے گا؟"

"راجا کا نصیب ــــ تجھے ــــ" اچانک میرے ذہن میں انوکھا خیال آیا "میرا مطلب ہے راجا کی شادی ہو رہی ہے اور یہ کرنا نہیں چاہتا۔"

"شادی نہیں کرنا چاہتا۔" جمی نے سر کھجا کر راجا کی طرف دیکھا۔ یہ پہلا نوجوان ہے جو شادی نہیں کرنا چاہتا۔ کیا اس کے اندر کوئی تکنیکی خامی ہے۔"

راجا اس اشتعال انگیز جملے پر کانپنے لگا۔ "وہ تیرے والد صاحب کے اندر تھی' جمی بکرے کی اولاد۔"

میں نے بہ مشکل دونوں کو ٹھنڈا کیا۔ دونوں ہی اعلیٰ درجے کے بے غیرت تھے اس لیے دس منٹ میں سب بھول چکے تھے بلکہ ایک ہی بیئر باری باری پی رہے تھے۔ میں نے جمی کو بتایا "راجا کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ ذرا حسن پرست ہے اور لڑکی ذرا سی موٹی اور ذرا سی بدصورت ہے اس لیے شادی سے انکار کر رہا ہے حالانکہ شادی سے پہلے جو لڑکیاں دبلی اور خوب صورت ہوتی ہیں' وہ بھی شادی کے بعد موٹی اور بدصورت ہو جاتی ہیں۔ عقل مند لوگ دوسری خصوصیات پر یقین رکھتے ہیں۔"

"کون سی خصوصیات؟" جمی دلچسپی لیے بغیر نہ رہ سکا۔

"بھئی یہی مال و دولت اور جائداد اور کاروبار وغیرہ۔" میں نے چالاکی سے کہا تو جمی کے چہرے پر رونق نظر آنے لگی تھی۔ "اب دیکھو لڑکی ماں باپ کی اکلوتی ہے۔ باپ کا ڈرائی کلین کا وسیع کاروبار ہے۔ ذاتی گھر ہے (میں نے یہ نہیں بتایا کہ گھر صرف اسی گز پر بنا ہوا ہے) ذاتی گاڑی ہے (یعنی راجا کے باپ کی طرح گدھا گاڑی) اور کیا چاہیے اسے؟"

جمی نے رشک سے راجا کو دیکھا "اور یہ گدھا انکار کر رہا ہے۔"

"تو تو کر لے نا۔" راجا میرا مطلب سمجھ چکا تھا "تو حاصل کر لے کاروبار کو بھی اور کار اور فلیٹ بھی لے گا اور نیش بھی۔"

"اور بھی اب مجھے شادی کر لینی چاہیے ورنہ امی پھر اپنی کو سنبھالنے والا کون ہوگا۔ یہ سب تیری اولاد کو ملنا چاہیے۔"

"لیکن یار اس میں تو خرچا ہوتا ہے اچھا خاصا۔" اس نے فکر مند ہو کر کہا۔

"وہی بات' دیکھ اب تو شادی بھی بزنس ہے۔ انویسٹ کرو گے تو نفع کماؤ گے۔"

"لڑکی کیسی ہے؟" جمی نے زندگی میں پہلی بار پیسے کے علاوہ کسی اور چیز میں دلچسپی لی تھی۔

"تیرے لیے نہایت مناسب ہے۔" راجا نے فوراً کہا "خدا نے شاید تیرے لیے ہی اسے بنایا تھا۔ بالکل میچ جوڑی لگے گی۔" راجا نے رک کر زیر لب کہا "بھینس اور بھینسے کی۔"

"راجا میرے بھائی' اس کے اماں ابا سے میری بات کرا دو۔" جمی نے لجاجت سے کہا۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے اس سے میری بات چیت چل رہی ہے اور تو کہہ رہا ہے کہ میں ماں باپ سے تیرے لیے بات کروں۔ وہ بھلا مجھ جیسے ہیرے کو چھوڑ کر کسی اور

UrduPhoto.com

UrduPhoto.com

کھیرے کو کیوں منتخب کرنے لگے۔ اس کے لیے تو جلیل سے کوئی چکر چلوانا پڑے گا۔ یہ ماہر چکر باز ہے۔"

میں نے انکساری سے کہا "بس تم دوستوں کی صحبت سے سیکھا ہے سب کچھ۔ پہلے جمی کا ایک مسئلہ تو حل کردوں پھر دوسرا بھی حل ہی ہوجائے گا۔"

"چاہے اس وقت تک میرا دھڑن تختہ ہوجائے۔" راجا نے بھنا کر کہا "پھر کیا تو اس کی شادی جمی سے کرانے کے لیے اسے بیوہ کرے گا جلیل۔"

"بس ایک دو دن کی بات ہے پھر میں تیرے باپ سے بھی نمٹ لوں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

جب میں اور راجا جمن خانے سے روانہ ہوئے تو وہ سارے راستے شک کا اظہار کرتا رہا کہ میں جمی سے کسی چکر میں ملا تھا۔ آخر اس نے براہِ راست پوچھ لیا "تو نے جمی سے کتنی رقم وصول کی ہے؟"

میں نے قہقہہ لگایا "جمی سے اور رقم، اگر تو پولیس سے ہمدردی کی توقع کی بات کرتا تو زیادہ قرین قیاس ہوتا۔"

"بے شک جمی مہا کنجوس ہے لیکن وہ احمق بھی ہے اور تو اس سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔ مجھے یقین ہے، اس نے تجھے کسی نہ کسی چکر سے نکلنے کے لیے رقم ضرور دی ہے لیکن تیرے دل میں کمینگی آگئی ہے۔"

"چل اگر دی بھی ہے تو تجھے کیا۔" میں نے بھنا کر کہا "تو نے جو کرنا ہے کرلے۔"

"اچھا بیٹے راجا سے استادی۔" اس نے منہ پر ہاتھ پھیرا "اب دیکھنا ذرا۔"

"بیٹے یہ گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دینا میں جلیل الزماں ہوں۔"

○☆○

میں اسی ہوٹل میں فضل حق یعنی شترمرغ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ میں نے اس کے سامنے سونے کا ایک بسکٹ رکھا۔ اس پر دبئی کی سونے کا کاروبار کرنے والی ایک مشہور فرم کی مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ دس تولے کا بسکٹ تھا جس کی مارکیٹ ویلیو چون ہزار تھی۔ بسکٹ دیکھ کر شترمرغ کی آنکھوں میں چمک آگئی تھی۔ اس نے بسکٹ کا معائنہ کیا "یہ اصلی ہے نا؟"

"مجھے کیا معلوم سرکار، میں تو آپ کو دکھانے کے لیے وہاں سے لایا ہوں۔ ابھی لے جاکر واپس رکھ دوں گا۔"

"نہیں، یہ سرکاری تحویل میں رہے گا۔" اس نے کہا۔ "ایسا غضب نہ کیجیے گا سرکار، ایک بسکٹ بھی غائب ہوا تو وہ چوکنا ہوجائیں گے اور پھر سب غائب کردیں گے۔ آپ کا چھاپا ناکام ہوجائے گا۔"

"کہیں یہ تم خود ہضم کرنے کے چکر میں تو نہیں ہو۔" اس نے شک زدہ لہجے میں کہا۔

"میری ایسی مجال کہاں سرکار، غریب آدمی ہوں۔ اتنی بڑی چیز ہضم نہیں کرسکوں گا۔ مجھے یہ بسکٹ واپس رکھنا ہے۔ اس سے پہلے کہ انہیں اس کے غائب ہوجانے کا علم ہوجائے۔"

"اچھا۔" بادلِ ناخواستہ اس نے بسکٹ واپس کیا "چھاپا کب مارنا ہے۔"

"جیسے ہی مجھے اطلاع ملی سرکار۔" میں نے جواب دیا "لیکن آپ بھی خیال رکھیے گا کہ کسی اور کے علم میں یہ بات نہ آئے ورنہ ... میرا مطلب ہے کالی بھیڑیں کس محکمے میں نہیں ہوتیں۔" میں نے اس کے روسیاہ چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"مجھے اتنی عقل ہے۔" اس نے خفگی سے کہا "اور مجھے پانچ سو کا ایک اور نوٹ دے کر رخصت ہوگیا۔

شترمرغ کو پھانسنے کے لیے مجھے خاصی جان ماری پڑی تھی... جس کا معاوضہ وہ خود مجھے دے رہا تھا۔ قدرت بعض اوقات کیسے نرالے کام کرجاتی ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

○☆○

رات گئے میں سائٹ کی اس فیکٹری کے باہر موجود تھا جہاں ماربل اور پلاسٹر آف پیرس کے شوپیس تیار کیے جاتے تھے۔ فیکٹری سیٹھ فضل الرحمٰن کی ملکیت تھی اور اس کی پیداوار زیادہ تر مشرقِ بعید کو برآمد کی جاتی تھی۔ میں نے شترمرغ کو یہ باور کرایا تھا کہ ماربل اور پلاسٹر آف پیرس میں رکھ کر سونے کے بسکٹ دوسرے ممالک اسمگل کیے جاتے ہیں۔ اول تو سیٹھ فضل الرحمٰن کا نام ہی کافی تھا۔ موصوف اسمگلر کی حیثیت سے معروف تھے۔ ملک کے معاشی اور سیاسی حلقوں میں ان کی بڑی شہرت تھی لیکن پچھلے کچھ عرصے سے وہ زیرِ عتاب تھے۔ اسی بنا پر شترمرغ جیسے معمولی سے ایکسائز اہلکار نے فیکٹری پر چھاپا مارنے کی ہمت کی تھی۔ اگرچہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ چھاپے کا اصل مقصد سوائے مک مکا کے کچھ نہیں ہوگا مگر ایک بات سے شترمرغ ناواقف تھا کہ فضل الرحمٰن کا ایک بھتیجا اس کے محکمے میں ڈی ایس پی تھا۔

میں نے شترمرغ کو ٹپ دی تھی کہ آج رات بارہ بجے کے بعد فیکٹری میں وہ پیس تیار ہوں گے جن میں سونے کے

UrduPhoto.com

بسکٹ چھپائے جائیں گے اور انہیں پہلے سے تیار کیے گئے مال کے ساتھ رکھ دیا جائے گا۔ یہ کام فیکٹری کے خاص افراد کریں گے جو اس کام میں فضل الرحمٰن کے برابر کے شریک تھے۔ وہ چھاپا مار کر انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ سکتا تھا۔ میں نے فیکٹری میں کام کرنے والے ایک بڑے میاں کا نام اختیار کیا تھا اور کچھ حلیہ بھی انہی جیسا بنالیا تھا اس لیے اگر شترمرغ نے خفیہ انکوائری بھی کرائی ہوتی تو میرا جھوٹ نہیں پکڑ سکتا تھا پھر سونے کے بسکٹ کی جھنک نے اس کی عقل کو گھاس چرنے بھیج دیا تھا جہاں سے اس کی جلد واپسی دشوار تھی حالانکہ بسکٹ سیسے کا تھا جس پر سونے کی ملمع کاری کی گئی تھی اور ماہر سنار بھی اس کے جعلی ہونے میں شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

ٹھیک ایک بجے ایک کار آکر فیکٹری کے سامنے رکی۔ اس میں سے شترمرغ سمیت چار افراد نکلے۔ انہوں نے چوکیدار سے گیٹ کھلوایا اور اندر گھس گئے۔ اسی اثنا میں، میں موبائل فون پر ایک نمبر ملا چکا تھا۔ دوسری طرف سے ایک غنودہ آواز نے پوچھا "کون ہے؟"

"سیٹھ صاحب کو جلدی سے خبر کرو۔" میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا "سائٹ والی فیکٹری پر ایکسائز نے چھاپا مارا ہے۔" بولنے والی کی نیند اڑ گئی تھی۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ کون ہو تم؟"

"تمہارا باپ۔" میں نے غرا کر کہا "اگر دیر ہو گئی تو سیٹھ تمہاری کھال کھینچ لے گا۔"

میں نے موبائل آف کر کے فیکٹری کی طرف دیکھا جہاں شترمرغ کے ساتھی چوکیدار کی مرمت کر رہے تھے اور وہ مدد کے لیے چلا رہا تھا لیکن یہاں اس کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ غالباً وہ انکار کر رہا تھا کہ فیکٹری میں کوئی نہیں تھا مگر وہ بھلا کہاں ماننے والے تھے پھر وہ اسے اندر لے گئے۔ میں چشم تصور سے دیکھ رہا تھا کہ وہ چوکیدار سے فیکٹری کھلوا رہے ہوں گے اور وہاں پر سونے کے بسکٹ مال میں پیک کرنے والوں کو تلاش کر رہے ہوں گے اور تلاشی میں ناکامی کے بعد چوکیدار کی مزید خاطر تواضع کر رہے ہوں گے۔

اسی لمحے ایک جہازی سائز کی مرسیڈیز آکر فیکٹری کے سامنے رکی اور اس میں سے نائٹ سلیپنگ گاؤن میں ملبوس سیٹھ فضل الرحمٰن اپنے محافظوں کے ساتھ نکلا اور فیکٹری میں چلا گیا۔ میں نے موبائل فون پر ایک معروف اخبار کا نمبر ملایا جسے سنسنی خیز خبریں چھاپنے کا شوق تھا۔ میں نے اسے آگاہ کیا کہ سیٹھ فضل الرحمٰن کی سائٹ والی فیکٹری پر ایکسائز نے چھاپا مارا ہے۔ اگر وہ رپورٹر اور فوٹو گرافر روانہ کریں تو کل کے اخبار کے لیے ایک سنسنی خیز خبر مل جائے گی۔ اخبار کا نام بھی سنسنی تھا اور اس میں نہایت سنسنی خیز قسم کی تصاویر بھی چھاپا کرتی تھیں جو نوجوان طبقے میں بے حد مقبول تھیں۔

رات کو سڑکیں سنسان ہوتی ہیں اس لیے رپورٹر مع فوٹو گرافر محض بیس منٹ میں پہنچ گئے اور بے دھڑک فیکٹری میں گھس گئے۔ میں مسکراتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو گیا۔ موبائل فون نے میرا کام آسان کر دیا تھا۔ یہ ایک دن پہلے میں نے تین ہزار میں خریدا تھا۔

○☆○

اگلے دن میں بے قراری سے صبح سویرے کیفے ڈی پھونس روانہ ہو گیا تھا۔ فتو مجھے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔

"سورج نکلا نہیں تو نکل آیا۔"

"بس میں نے سوچا کہ آج ناشتا اپنے یار کے کیفے میں کرتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں نے ادھار بالکل بند کر دیا ہے۔" اس نے رکھائی سے کہا۔

"اللہ تجھے بھی بند کرے۔" میں نے خلوص سے کہا "فٹا فٹ چائے اور مسکا بن لے آ۔" میں نے اسے دس کا نوٹ پکڑایا اور وہاں موجود اخبار تھام کر میز پر جا بیٹھا۔ مجھے معلوم تھا کہ فتو نے روزنامہ "سنسنی" لگوا رکھا تھا اس لیے میں منہ اندھیرے یہاں چلا آیا۔ میں نے بے تابی سے پہلے صفحے پر نظر دوڑائی اور خبر کو موجود پا کر اچھل پڑا تھا۔ اگرچہ خبر کا اصل خالق خاکسار ہی تھا مگر اچھلنے کی وجہ سرخی تھی جس کے مطابق محکمہ ایکسائز کے ایک ایس آئی نے چھاپا مار کر سیٹھ فضل الرحمٰن کی سائٹ فیکٹری سے ہیروئن برآمد کرلی جو شو پیس میں بھر کر دوسرے ممالک اسمگل کی جاتی تھی۔ میں نے اپنا سر ہلایا۔ میں نے جعلی بسکٹ کا چکر چلایا تھا یہاں اصل ہیروئن نکل آئی اور جب سیٹھ فضل الرحمٰن اور چھاپا مار ٹیم کے درمیان مذاکرات جاری تھے تو روزنامہ سنسنی کی ٹیم نے وہاں چھاپا مارا۔ پہلے تو فوٹو گرافر تصویریں اتار کر فرار ہوگیا اس کے بعد رپورٹر نے اندر جا کر ایس آئی فضل حق کو فضل الرحمٰن سے رشوت لیتے ہوئے پکڑا لیکن وہ اکیلا تھا لہٰذا چھاپا مار ٹیم نے اسے پکڑا اور مار پیٹ شروع کردی۔ بعد میں سنسنی کے مدیر اعلیٰ نے رپورٹر کو خستہ حالت میں ایک تھانے سے برآمد کیا۔ وہ بدقسمتی سے اپنا پریس کارڈ لے جانا بھول گیا۔ چراغ پا رپورٹر نے واقعے کی رپورٹنگ میں اپنا سارا زورِ بیان صرف کردیا تھا۔

اگرچہ رپورٹر کی حالت پر مجھے افسوس ہوا تھا لیکن خبر شاندار بن گئی تھی۔ تصویروں کی وجہ سے سیٹھ اور شتر مرغ دونوں ہی پھنس گئے تھے اور اب ان کی گلوخلاصی آسان نہیں تھی۔ اخبار میں مقامی ایس پی کا بیان بھی تھا جس کے مطابق پولیس کو فیکٹری میں ہیروئن کے کوئی آثار نہیں ملے تھے لیکن اب معاملے کو دبانا آسان نہیں تھا۔ صحافی برادری اپنے ایک ساتھی کے ساتھ کی جانے والی زیادتی پر سخت مشتعل تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ سیٹھ فضل الرحمٰن بڑی مچھلی تھا اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ مارا ایس آئی جائے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ اگلے روز اسے معطل کردیا گیا تھا۔ تیسرے دن میں نے اسے فون کرکے ہمدردانہ مشورہ دیا کہ فوراً سے پیشتر یہ بنگلا خالی کردے اور کسی ایسے مکان میں منتقل ہوجائے جو اس کی حیثیت کے عین مطابق ہو بلکہ دو تین سال کی کرائے کی رسیدیں بھی بنوالے تاکہ کوئی کمہ نہ سکے کہ وہ طارق روڈ کے ایک بنگلے میں رہ رہا تھا۔ میں نے خود کو محکمے میں اس کا ایک گمنام ہمدرد ثابت کیا تھا اور اس نے فوراً اعتبار بھی کرلیا تھا۔

"کہیں وہ موٹا نہ بھونک دے۔" اس نے فکرمندی سے کہا "میرا مطلب ہے بنگلے کا مالک جمی خان۔"

"اس کا منہ بند رکھنے کا ایک طریقہ ہے۔ تم اپنا ایڈوانس بھول جاؤ۔ وہ بھول کر بھی اقرار نہیں کرے گا کہ تم اس کے کرائے دار رہے تھے بلکہ تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کردے گا۔"

"ایڈوانس بھول جاؤں۔" اس نے مردہ لہجے میں کہا "میں نے اسے پورے ایک لاکھ دیے تھے۔"

"یعنی موٹا فائدے میں رہے گا۔" میں نے دل میں کہا اور منہ سے کہا "یہ نقصان تو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ بعد میں کبھی پورا کرلینا۔ اگر نوکری چلی گئی تو پھر موقع نہیں ملے گا۔"

"لگتا ہے ایسا ہی کرنا پڑے گا۔" اس نے آہ بھری "جب مصیبت آتی ہے تو چاروں طرف سے آتی ہے۔ دو بیویوں کے میکے والے بھی آرہے ہیں۔"

"تم تیسری کے میکے چلے جاؤ۔" میں نے فون بند کرنے سے پہلے مشورہ دیا تھا۔ اسی لمحے راجا نازل ہوا تھا۔ میں بدقسمتی سے اسی حلیم والے کے پاس بیٹھا تھا۔ راجا نے آتے ہی ڈبل پلیٹ کا آرڈر دیا اور مجھ سے کہا۔

"جلیل شرافت سے میرا حصہ نکال دے۔"

میں نے معصومیت سے کہا "کیسا حصہ؟"

"جلیل میرے ساتھ حرامی پن کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جان گیا ہوں کہ تو کیوں بھاگ بھاگ کر جمی کے پاس جاتا تھا اور پچھلے ایک ہفتے سے تو کیا کر رہا ہے۔"

"کیا کر رہا تھا؟" میں نے اسی لہجے میں کہا۔

"یہ بات میں نادر شاہ یا سیٹھ فضل الرحمٰن کو بتاؤں تو زیادہ بہتر رہے گا۔" اس نے بھنا کر کہا "مجھے تجھ سے یہ امید نہیں تھی جلیل تو اکیلے ہی اکیلے سب ہضم کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"تو بھول رہا ہے کہ میں نے یہ سب اکیلے ہی کیا ہے۔ خیر تجھے اگر حصے کی ضرورت ہے تو یہ لے۔" میں نے اسے موبائل فون تھمادیا "رہی رقم تو وہاں جا چکی ہے جہاں سے وہ مجھے بھی نہیں مل سکتی۔"

"چل یہ بھی بہت ہے۔" راجا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور حلیم پر ٹوٹ پڑا۔ تیسری پلیٹ کھا کر جب وہ چوتھی کا آرڈر دے رہا تھا تو میں خاموشی سے وہاں سے کھسک لیا تھا۔ آخر تھوڑی سی سزا راجا کو بھی ملنی چاہیے تھی بلیک میلنگ کی۔

UrduPhoto.com